انتہا پسندی اور اس کا تاریخی پس منظر!

مولانا عنایت الرحمن

''انتہا پسندی کا تاریخی پس منظر معلوم کرنے کے لئے انسانی مزاج، اختلافات کی نوعیت اور اختلافات کی گنجائش کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

اگر ہم تمام جانداروں کو سرسری نظر سے بھی دیکھیں تو ایک چیز ان میں نمایاں طور پر قدر مشترک نظر آئے گی اور وہ ہے اختلاف، باہمی جھگڑوں اور لڑائیوں کا مشاہدہ ناطق ہے کہ حیوانات کی ہر جنس اور ہر جنس کا ہر فرد دوسروں پر فوقیت و بالادستی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، پھر اس سفر میں جو رکاوٹ سامنے آتی ہے، وہ اسے دور کرنے کی مقدور بھر کوشش کرتا ہے، دوسری طرف کچھ اشیا ایسی ہیں کہ جن کا تعلق اگر چہ تفوق اور سربلندی سے نہ ہو مگر خواہش ان کو مقتضی ہوتی ہے، اس لئے سرداری اور آرام وراحت سب کو مطلوب ہیں، ہر متنفس پیٹ بھرنے، صحت منداور سکون سے رہنے کو پسند کرتا بلکہ طلب کرتا ہے، اس کی بنیاد دو چیزوں پر ہے، ایک قوت غضبیہ اور دوم قوت شہوانیہ، ہر ذی جان چیز میں یہ دو قوتیں ودیعت کی گئی ہیں، پھر وہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے بطور ہتھیار غضب وغصہ کو بھی استعمال کرتا ہے، اس طرح خون خرابہ ہوتا رہتا ہے۔

چنانچہ جب فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے خمیر کے اجزائے ترکیبیہ کا جائزہ لیا تو فوراً بول اٹھے کہ یہ تو یعنی ان کی اولاد ونسل زمین میں فساد کرے گی اور ایک دوسرے کا خون بہائے گی، مگر انسان میں چونکہ اللہ تبارک تعالیٰ نے ایک تیسری قوت بھی ودیعت فرمائی تھی جو مستتر ومضمر تھی اور دیگر حیوانات میں موجود نہ تھی، اس لئے اللہ عزوجل نے فرمایا: ''میں وہ سب کچھ جانتا ہوں، جو تم نہیں جانتے ہو'' وہ قوت، عقل کی غیر معمولی دولت تھی جس سے انسان کو مالا مال بنایا گیا تھا، لہٰذا کہا جائے گا کہ انسان تمام جانداروں سے اس خداداد صلاحیت کی بنا پر ممتاز ہے بلکہ اشرف المخلوقات ہے، اس طرح اس کے اندر تین ملکات جمع ہو گئے، قوت غضبیہ، قوت شہوانیہ اور قوت عاقلہ، میرا یہ تحقیقی مقالہ اسی تناظر میں تحریر کیا گیا ہے۔''

افلاطون، ارسطو اور تمام فلاسفہ ان تینوں کے قائل ہیں اور کہتے کہ ہر فضیلت دو رزیلتوں کے درمیان ہوتی ہے، چنانچہ قوت غضبیہ کی افراط وتفریط سے رزیلتیں جنم لیتی ہیں مگر اس کے اعتدال سے شجاعت پیدا ہوتی ہے، اسی طرح قوت شہوانیہ کے اعتدال سے عفت اور قوت عاقلہ کے اعتدال سے حکمت معرض وجود میں آتی ہیں، پھر ان تینوں کو ملا کر عدل جیسی نعمت نصیب ہوتی ہے۔(۱)

بعض سطحی ذہن کے مالک اس حقیقت سے ناواقفیت اور جہالت کی بناء پر مطلق اختلاف کے خلاف ہیں، وہ نہ تو نظریاتی اختلافات کے قائل ہیں اور نہ ہی حمیت کی بناء پر جھگڑوں کو تسلیم کرتے ہیں، حالانکہ پتھر کی طرح بے حس ہونا تو انسان کی فطرت کے منافی ہے، اس لئے تو امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”جس کو غصہ نہ آئے وہ گدھا ہے“ ہاں یہ کہنا بجا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو عقل دی ہے، لہٰذا وہ عقل کی روشنی میں اور عقل کی طاقت سے باقی دو قوتوں کو کنٹرول کرے، وہ نہ تو قوتِ غضبیہ کو بے قابو ہونے دے اور نہ ہی قوت شہوانیہ کو، اس لئے تو علماء نے لکھا ہے: ”انسان ایسی مخلوق ہے کہ اگر وہ اپنا مقصد زندگی جان کر اس کے حصول میں لگ جائے اور کامیاب ہو جائے تو وہ عرشی بن جاتا ہے اور فرشتوں سے بھی برتر ہو جاتا ہے جبکہ مقصد سے ہٹنے کی صورت میں نہ صرف فرشی بلکہ جانور سے بھی بدترین بن جاتا ہے۔“(۲)

اختلافات کی نوعیت:......اگرچہ انسانی فطرت کو دیکھتے ہوئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ انسانوں کے مابین اختلافات ناگزیر ہیں، تاہم اختلافات کی نوعیّتوں میں فرق ہے۔(۳) بعض اختلافات حیوانی ہوتے ہیں اور بعض شیطانی، بعض نسلی، بعض علاقائی، بعض لسانی اور بعض اقتصادی وغیرہ وغیرہ، تاہم میرے مقالے کا موضوع چونکہ ”مذہبی انتہا پسندی“ ہے، اس لئے یہاں صرف اس قسم پر بحث ہوگی۔

اختلافات کی گنجائش:......جب یہ طے پایا کہ اختلافات ناگزیر ہیں تو یہ بات خود بخود معلوم ہوئی کہ اختلافات کی گنجائش موجود ہے، مگر دیکھنا یہ ہے کہ یہ گنجائش کس حد تک ہے، کیا اس کا ایک ہی دائرۂ کار ہے یا مختلف زاویئے ہیں، اختلافات تو ائمہ اربعہ کے درمیان بھی رہے ہیں مگر امام ابوحنیفہ اور ان کے مایہ ناز وشہرۂ آفاق شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کا بھی اپنے استاذ سے اور آپس میں اختلافات پائے جاتے ہیں،(۴) حالانکہ اس پر اتفاق ہے کہ ان کا یا دیگر ائمہ کا باہمی اختلاف ہرگز مذموم نہ تھا، تو کیا فرق ہے ان کے اور شر پسندوں کے اختلاف میں کہ ایک ممدوح بلکہ باعث اجر وثواب ہے، امت کیلئے رحمت (۵) ہے جبکہ دوم، مذموم اور باعث لعنت اور امت کے لئے زحمت کا موجب ہے؟

شیطانی اختلاف:......جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ اختلافات میں بعض ایسے بھی ہیں جو انسانی فطرت سے متعلق نہیں ہیں، بلکہ وہ محض ابلیس کے اکسانے کی بناء پر معرض وجود میں آتے ہیں، چونکہ اس اختلاف کی بناء پر انسان اپنے مقصد حیات سے ہٹ جاتا ہے، اس سے فساد فتنہ برپا ہو جاتا ہے، انسانیت کی کشتی اس طوفانی خطرے سے دوچار ہو جاتی ہے، جس سے بچنا مشکل ہی ہو جاتا ہے، اس لئے یہ اختلاف مذموم ومعیوب ٹھہرا، جبکہ وہ اختلاف جس سے انسانیت کا

فائدہ ملحوظ ہوتو وہ عین کمال ہے، بشرطیکہ وہ اصول کے مطابق اور حدود کے اندر ہو، گویا صاف نیت، عقلی ونقلی حد بندی کا لحاظ رکھتے ہوئے اختلاف کرنا ہرگز قابل مذمت نہیں اور نہ ہی منع ہے۔

مذموم اور ممنوع صرف وہ اختلاف ہے جو انسانیت کو فلاح کی راہ سے ہٹا کر جھگڑوں، فسادات اور خرافات کی طرف دھکیل دے، اب ہم آتے ہیں انتہاپسندی کے تاریخی پس منظر کی طرف۔

انسان تاریخ کے آئینہ میں:......ان سطور میں ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ہم اس تاریخی پس منظر کو ان حقائق پر مبنی کریں گے جن کی صداقت پر تمام سماوی والہامی ادیان کے پیروکار متفق ہیں۔

ہم اس بات کے ہرگز قائل نہیں کہ انسان کسی اور جنس جیسے مینڈک، مچھلی یا بندر سے ارتقاء کا نتیجہ ہے، بلکہ ہم انسان کو خاکی اور آدمی ہی مانتے ہیں، ہمارا بے غبار عقیدہ ہے کہ آج کا انسان آدم زاد ہے اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے تھے۔(۶)

حضرت آدم علیہ السلام کائنات کی تخلیق سے کتنی مدت کے بعد پیدا ہوئے تھے اس بارے میں کوئی صریح روایت نہیں پائی جاتی گو کہ جمعہ کے دن عصر کے وقت کی روایات صحیح اور صریح ہیں، (۷) تاہم ان میں جمعہ کی تعیین نہیں ہے کہ وہ کون سا جمعہ تھا سب سے پہلا جمعہ یا کوئی اور......؟

بہرکیف، حضرت آدم علیہ السلام کے روئے زمین پر بسنے کے بعد اب تک کوئی ہزاروں سال مکمل ہو چکے ہیں، یہ عرصہ اور زمانہ دراز پہلی ہزاری کے بعد اختلافات (۸) سے لبریز رہا ہے، دریں اثنا کوئی زمانہ اگر بغیر اختلاف کے گزرا ہے تو وہ طوفان نوحؑ کے بعد چند مہینوں یا چند سالوں کا عرصہ (۹) ہے، پھر ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں ساری انسانیت مذہب کے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوگی، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد کا وقت (۱۰) ہے جو چند سالوں پر مشتمل ہوگا۔

غرض ان تین زمانوں کے علاوہ انسانیت کی تاریخ میں کوئی زمانہ اختلاف سے خالی نہیں گزرا ہے۔

ان اختلافات میں اگر ایک طرف روم اور فارس اور عربوں اور مصریوں کے مابین اقتصادی وملکی وعلاقائی لڑائیاں بھی گزری ہیں لیکن ایک بڑا حصہ ان میں مذہبی اختلافات سے پیدا ہونے والی صورتحال کا بھی ہے۔

طوفان نوح ہو یا عاد اور ثمود، غرق فرعون ہو یا سدوم کی الٹی بستیاں، اہل مدین ہوں یا مابعد کے واقعات وحوادث، یہ سب مذہبی اختلاف اور منافرت کے سلاسل کی کڑیاں ہیں۔

بہت پہلے کی تاریخ محفوظ نہیں ہے، اس لئے مؤرخین قدیم تاریخ کے متعلق، قرآن وسنت، اسرائیلی روایات (جو بظاہر انبیاء علیہم السلام سے مروی ہیں گو کہ کلی طور پر نہ ہوں) اور آثار قدیمہ پر تکیہ کرتے ہیں۔

ان میں سب سے زیادہ باوثوق ذریعہ قرآن وسنت ہے، لہٰذا ہم قرآن کو بڑا ماخذ مانتے ہوئے اس تاریخی پس منظر کا نقطۂ آغاز ذکر کرتے ہیں۔

چنانچہ سورۃ البقرہ کی آیت ۲۱۳ میں اس کا ذکر کچھ یوں کیا ہے:

﴿كان الناس امة واحدة فبعث الله النبيين مبشرين ومنذرين﴾ ''تھے سب لوگ ایک دین پر پھر بھیجے اللہ نے پیغمبر خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے اور ﴿وانزل معهم الكتب بالحق ليحكم بين الناس فيما اختلفوا فيه﴾ (۱۱) ''اتاری ان کے ساتھ کتاب سچی کہ فیصلہ کرے لوگوں میں جس بات میں وہ جھگڑا کریں۔''

اسی طرح سورۂ یونس کی آیت نمبر ۱۹ میں ہے:

﴿وما كان الناس الا امة واحدة فاختلفوا﴾ (۱۲) ''یعنی سب لوگ ایک ہی امت تھے مگر جدا جدا ہو گئے۔''

اس آیت کی تفسیر میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

''حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے ایک ہی سچا دین رہا ایک مدت تک، اس کے بعد دین میں لوگوں نے اختلاف ڈالا تو خدا تعالیٰ نے انبیاء کو بھیجا جو اہل ایمان و اطاعت کو ثواب کی بشارت دیتے تھے اور اہل کفر و معصیت کو عذاب سے ڈراتے اور ان کے ساتھ سچی کتاب بھی بھیجی تاکہ لوگوں کا اختلاف اور نزاع دور ہو اور دین حق ان کے اختلاف سے محفوظ اور قائم رہے۔'' (۱۳)

وہ مزید تحریر فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک تو یہ کہ اللہ نے جو کتابیں اور متعدد نبی بھیجے تو اس واسطے نہیں کہ ہر فرقہ کو جدا طریقہ بتلایا ہو بلکہ سب کے لئے اللہ نے اصل میں ایک ہی راستہ قائم کیا، جس وقت اس راستے سے بچلے تو اللہ نے نبی کو بھیجا اور کتاب اتاری کہ اس کے موافق چلیں، اس کے بعد پھر بھکے تو دوسرا نبی اور کتاب اللہ پاک نے اسی ایک راہ قائم کرنے کو بھیجا، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ تندرستی ایک ہے اور بیماریاں بے شمار، جبکہ ایک مرض پیدا ہوا تو اس کے موافق دوا اور پرہیز فرمایا، جب دوسرا مرض پیدا ہوا تو دوسری دوا اور پرہیز اس کے موافق فرمایا، اب آخر میں ایسا طریقہ اور قاعدہ فرما دیا جو سب بیماریوں سے بچائے اور سب کے بدلے کفایت کرے اور وہ طریقہ اسلام ہے جس کے لئے پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن شریف بھیجے گئے۔ اور دوسری بات یہ معلوم ہو گئی کہ سنت اللہ یہی جاری ہے کہ برے لوگ ہر نبی معبوث کے خلاف اور ہر کتاب الٰہی میں اختلاف کو پسند کرتے رہے اور اس میں ساعی رہے۔'' (۱۴)

انتہا پسندی تاریخ کے آئینہ میں:...... جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ انتہا پسندی افراط و تفریط کا دوسرا نام ہے، افراط و تفریط ہی ایسے دو پہلو ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اعتدال و توازن کو بگاڑ دیتا ہے۔

مذہبی انتہا پسندی میں شدت اور غلو اچانک پیدا نہیں ہوتا بلکہ اپنے اسباب و محرکات کے تناسب سے دھیرے

دھیرے اس میں تشدد کا عنصر نمایاں ہوتا چلا جاتا ہے۔

آج کل چونکہ برقی دور ہے، انسان آج کی دنیا میں جتنا تیز رو ہو گیا ہے، اتنا اس سے قبل کبھی بھی نہیں رہا ہے، عصر حاضر میں کوئی بھی چیز فرض کر لیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی رفتار سابقہ تمام ریکارڈز توڑ چکی ہے، مثلاً کسی بھی ملک میں کوئی وبائی مرض پھیل جائے تو اس کی خبر اس ملک کے باشندگان کی طرح ساری دنیا کو آناً فاناً ہو جاتی ہے، اسی طرح وہاں کے مکین بیرون ملک سفر کر کے یا باہر سے آنے والے غیر ملکی واپس جا کر وہ بیماری اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور اس حمل ونقل میں کوئی زیادہ عرصہ بھی نہیں گزرتا پھر جب اس متعدی ومہلک بیماری کا علاج دریافت ہوتا ہے اور دوا تیار کی جاتی ہے تو چند دنوں میں وہ دنیا بھر کی مارکیٹوں تک بآسانی پہنچائی جا سکتی ہے۔

یہی حال انتہا پسندی کا سمجھ لینا چاہیئے کہ آج کے انسان میں ان مواصلات وغیرہ ذرائع کی وجہ سے جتنی جلدی تبدیلی آتی ہے وہ پہلے ممکن نہ تھی، آج دنیا کے کسی بھی خطے میں کوئی ناقابل برداشت واقعہ رونما ہو جائے تو اسی وقت اس کی خبر دنیا بھر میں پھیل جاتی ہے اور نتیجہ میں لوگ سڑکوں پر آتے ہیں، احتجاج کرتے ہیں اور تشدد کرتے ہیں۔ جبکہ ماضی کا انسان آج کی طرح نہ تھا، وہ ان سہولیات سے محروم اور ناآشنا تھا جو موجودہ انسان کو حاصل ہیں، اس لئے زمانہ گزشتہ میں تبدیلی آنے میں کافی وقت لگتا۔

اس حقیقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم جتنا پیچھے جائیں گے اتنا ہی انتہا پسندی کی رفتار میں کمی اور سستی پائیں گے۔ نانچہ روئے زمین پر آباد ہو جانے کے سینکڑوں سالوں تک بھی انتہا پسندی کا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا تھا۔ (۱۵) یا کم از کم جماعتی شکل میں اس کی کوئی مثال نہیں پائی جاتی ہے۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جہاں ایک طرف انسان کی باقی صلاحیتیں بیدار ہو گئیں، وہاں اس کی منفی استعداد میں بھی نمایاں تیزی آگئی، اگر ایک طرف اس کی شرافت کے نئے نئے باب کھل گئے تو دوسری جانب اس کی شرارت کے بھی بہت سے دروازے مفتوح ہو گئے، چنانچہ تقریباً ایک ہزار سال گزارنے کے بعد انسان کی سوچ میں تبدیلی آچکی تھی، اب کا انسان وہ نہ رہا تھا جو پہلے ہوا کرتا تھا، لوگوں نے نئے انداز سے سوچنا شروع کر دیا تھا، وہ مذہب کے سابقہ اصول کے پابند نہیں رہے تھے۔

اس بارے میں سب سے پہلے مذہب کے حوالے سے جو تبدیلی انہوں نے کی وہ توحید کے مفہوم میں اپنی نفسانی وشیطانی تلبیس تھی، انہوں نے سوچا کہ جب ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کو مشاہدۃً نہیں دیکھ سکتے تو کیوں نہ واسطہ کا سہارا لے کر ہم اپنی عبادت کو مزید بامقصد بنائیں، چنانچہ انہوں نے اس مقصد کی خاطر مورتیوں کی عبادت شروع کر دی، وہ یہ کام شرک کی نیت سے نہیں کرتے تھے اور نہ ہی کوئی اور غلط مقصد تھا، وہ تو اپنی عبادت کو مزید موثر بنانے اور اس میں خشوع وخضوع حاصل کرنے کی غرض سے یہ کام کرتے، لیکن ان کا یہ کام درحقیقت نادانی اور بے وقوفی پر مبنی ہونے کی وجہ سے انسانیت کی تقسیم اور تفریق کا قوی سبب بنا۔

ان کے اس عمل سے جو تباہی اور جو خرابی معرض وجود میں آئی، وہ نہ صرف یہ کہ ان کے دور کو بے لطف بنانے کا ذریعہ بنی بلکہ قیامت تک آنے والی انسانیت کے انتشار کا موجب بھی بنی رہی۔

ٹھیک ہے کہ ان کا ارادہ یہ نہ تھا کہ ہم انسان کو گمراہ کرنا یا آپس میں لڑانا چاہتے ہیں اور نہ ہی ان کی مراد غلط تھی کہ وہ دین کو بگاڑنا یا کوئی اور مذموم مقصد کی تکمیل کرنا چاہتے ہیں بلکہ وہ تو چاہتے تھے کہ جب ان کے بزرگوں کی صورتوں پر مبنی مورتیاں ان کے سامنے ہوں گی تو نماز میں ان کی توجہ کامل رہے گی کیونکہ محسوس کا ادراک کرنا آسان تر ہوتا ہے، مگر یہ کام شریعت کے وضع کردہ اصول کے منافی ہونے کی وجہ سے تباہی وہلاکت کے سوا کچھ بھی ساتھ نہ لا سکا۔

چنانچہ ہوا یہ کہ اول تو ان کے بزرگوں نے صرف یہ مورتیاں بنائیں تاکہ وہ ان کو دیکھ کر اپنے بزرگوں کی یادیں بھول نہ جائیں جیسا کہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے ابن ہشام کے حوالے سے اور دیگر مفسرین نے لکھا ہے، مگر اس قرن کے بعد اس نظریہ میں یہ تبدیلی آئی کہ انہوں نے ان مورتیوں کی تعظیم شروع کردی، پھر ان کی نسل نے باقاعدہ پوجا پاٹ اور عبادت شروع کردی (۱۶) تا آنکہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا تاکہ وہ لوگوں کو اس عمل بد سے روکے تو انہوں نے صاف انکار کر کے اپنے بتوں پر جمے رہنے اور اپنے موقف کا دفاع کرنے کی ایک دوسرے کو تلقین شروع کردی جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

"وقالوا لاتذرن الهتكم ولاتذرن ودا ولا سواعا ولا يغوث ويعوق ونسرا" (۱۷) "اور کہا انہوں نے کہ ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو (چھوڑنا)۔"

یہ جواب ایک ایسی ہٹ دھرمی پر مبنی تھا کہ اس میں نہ عقل کی آمیزش تھی اور نہ ہی نقل کی کرن تھی، چونکہ مذہب سے کوئی انسان لاتعلق نہیں رہ سکتا، اس لئے جب ایک فریق کی بات دوسرے فریق کی سمجھ سے بالاتر یا اس کی نظر میں غلط ہوگی تو لازمی طور پر اس سے اشتعال پیدا ہوتا ہے، پس اس اشتعال کو قابو نہ کیا جائے تو وہ باہمی اختلافات اور قتل وقتال وتنازعات کا سبب بنتا ہے۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ انسان نے اپنے بارے میں جو کچھ سوچا، اپنے بارے میں جو نظامہائے زندگی مرتب کئے، ان کی اصل خامی یہ ہے کہ وہ انسانی فطرت کے ناقص علم پر مبنی ہیں، انسانی فکر، انسانی فطرت کے تقاضوں کو ٹھیک طور پر سمجھے بغیر انہیں پورا کرنے کی کوشش کرتی ہے اور نتیجتاً بار بار ٹھوکریں کھاتی ہے، انسانی فکر کی دوسری بنیادی خامی یہ ہے کہ وہ صرف اپنے دور کے بارے میں ہی سوچتی ہے، اس لئے اس کی سوچ وقتی اور ہنگامی تقاضوں پر مبنی ہوتی ہے اور اس کی تیسری فکری خامی یہ ہے کہ عموماً اس کا نقطۂ نظر بغاوت اور ردعمل پر مبنی ہوتا ہے، اس کی سوچ کا نوے فیصد حصہ غصے اور نفرت پر مبنی ہوتا ہے۔

ان خامیوں کو مدنظر رکھ کر آسانی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انسان کے بنائے ہوئے نظام میں اعتدال کو کس قدر

ملحوظ رکھا گیا ہوگا اور انتہا پسندی سے یہ نظام کس قدر بعید ہوگا۔

اسلام چونکہ فطرت کے عین مطابق ہے، اس لئے انسانی فکر کی انتہا پسندیوں کے عین درمیان چلتا ہوا دکھائی دیتا ہے، آج کی دنیا کو اس اعتدال کی اتنی ہی ضرورت ہے، جتنی آج سے چودہ سال پہلے تھی، بلکہ اس سے کہیں زیادہ، اگر قدیم دور کا انسان اس شمع ہدایت کو تھام کر نہ صرف ہدایت یافتہ بلکہ رہنما بن سکتا ہے تو آج کے دور کا انسان کیوں نہیں؟

حوالہ جات

(۱) حفظ الرحمٰن، مولانا، ''اخلاق اور فلسفۂ اخلاق''، لاہور، مکتبہ رحمانیہ، صفحہ نمبر ۱۳۶، سن طباعت ۱۹۵۸) (۲) شاہ ولی اللہ دہلوی، محدث، حجۃ اللہ البالغہ، انڈیا دیوبند، کتب خانہ رحیمیہ باب نمبر ۶، سر تکلیف کا بیان ص: ۴۷، سن طباعت ندارد۔ (۳) اسماعیل بن کثیر الدمشقی، الحافظ، تفسیر ابن کثیر کراچی، قدیمی کتب خانہ تفسیر آیت ۱۷۹، سورۃ اعراف، ص: ۲۷۴، ج: ۲ سن طباعت ندارد۔ (۴) ابن خلدون، علامہ، مقدمہ ابن خلدون، کراچی، نفیس اکیڈمی، ص: ۳۴۱، ج: ۲، سن طباعت ندارد۔ (۵) ابن عابدین امین، الشامی، شرح عقود رسم المفتی، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ص: ۱۸، سن طباعت ندارد۔ (۶) نور الدین علی بن سلطان محمد الہروی، ملا علی قاری، الموضوعات الکبری، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ص: ۵۱، ۵۲، سن طباعت ندارد۔ (۷) قرآن ۲۳/ ۲۱۔ (۸) الشیخ محمد بن اسماعیل، الامام البخاری، صحیح البخاری، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ص: ۶۸ ۴، ج: ۱، سن طباعت ۱۹۶۱ء، ثانیہ۔ (۹) قرآن ۲/ ۲۱۳۔ (۱۰) قرآن ۱۱/ ۴۸۔ (۱۱) امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی، امام ترمذی، جامع ترمذی، کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، ص: ۴۷، ج: ۲، س طباعت ندارد۔ (۱۲) قرآن ۲/ ۲۱۳۔ (۱۳) قرآن ۱۰/ ۱۹۔ (۱۴) حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، شیخ الاسلام، مدینہ منورہ، تفسیر عثمانی، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس ۱۱، صفحہ: ۴۱، سن طباعت ندارد۔ (۱۵) حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، شیخ الاسلام، مدینہ منورہ، تفسیر عثمانی، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس ۱۱، صفحہ: ۴۱، سن طباعت ندارد۔ (۱۶) عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن کثیر الدمشقی، الحافظ، تفسیر ابن کثیر، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ص: ۲۵۰، ج: ۱، سن طباعت ندارد۔ (۱۷) ابن جوزی، علامہ، تلبیس ابلیس، کراچی، دار الاشاعت، ص: ۳۷، سن طباعت ندارد۔ (۱۸) قرآن ۱۷/ ۲۳۔

☆......☆......☆

ولی کامل مجدد قرأت استاذ الاساتذہ حضرت مولانا قاری رحیم بخشؒ پانی پتی فاضل دارالعلوم دیوبند خلیفہ مجاز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ذکریا کاندھلویؒ سابق مدرس شعبہ تجوید و قرأت جامعہ خیر المدارس ملتان کی سوانح حیات شائع کرنے کا ارادہ ہے باجازت مخدوم زادہ حضرت مولانا قاری محمد نصر اللہ رحیمی صاحب مدظلہ بیرون اور اندرون ملک جملہ محبین معتقدین متعلقین اور حضرتؒ کے شاگردان گرامی سے گزارش ہے کہ حضرت قاری صاحب کے حالات زندگی کے کسی گوشہ سے متعلق کسی قسم کا مواد اگر ان کے پاس ہو تو جلد از جلد بمعہ اپنا تعارف ارسال فرمادیں

مدرسہ ہذا میں قرآن مجید حفظ، گردان مع تجوید داخلہ جاری ہے

برائے رابطہ قاری محمد عالمگیر رحیمی و قاری غلام مصطفیٰ خادم القرآن مدرسہ رحیمیہ رحمۃ العالمین (رجسٹرڈ)

مانانوالہ بیدیاں روڈ لاہور کینٹ پاکستان: 0300-4121541